عائلی قوانین

— ۲ —

کمال فاروقی

عائلی قانون کے خصوصی مسئلہ کی نسبت قدامت پسندوں اور تجدد پسندوں کے مابین تین نہایت اہم امور میں اختلافات پائے جاتے ہیں - یعنی وراثت - تعدد ازدواج اور طلاق- اگرچہ دوسرے امور کی نسبت بھی بعض اختلافات موجود ہیں لیکن وہ مقابلتاً کم درجہ کے ہیں -

وراثت

وراثت کے مخصوص مسئلہ پر قدامت پسند اصحاب دور وسطیٰ کی تصانیف سے استشہاد کرتے ہیں - جن میں شریعت کی تعبیر استوار کی گئی ہے - مثلاً اگر کوئی شخص وفات پاجائے اور اس کے وارثوں میں اس کا ایک بیٹا ہو اور ایک پوتا جو اس کے دوسرے بیٹے کی اولاد ہو، جو مورث کی وفات سے قبل مرچکا ہو تو دادا کی جائداد میں سے پوتے کو کوئی حصہ نہیں ملے گا کیونکہ اس کا چچا اس کو وراثت سے خارج کردے گا - شریعت کی اس تعبیر سے نہ صرف پاکستان بلکہ دیگر اسلامی ممالک کے تجدد پسندوں کو بھی اختلاف ہے۔

اس امر کو متحقق کرنے کے لئے کہ قریبی رشتہ داروں پر مشتمل خاندان میں (تقسیم وراثت کے سلسلہ میں) تقدم کس کو حاصل ہوگا - ہمارے فقہا نے جو قواعد وضع کئے تھے ان کی رو سے یہ تسلیم کرلیا گیا ہے کہ اولاد کو اجداد پر ترجیح حاصل ہوگی اور اجداد کو ان رشتہ داروں پر ترجیح حاصل ہوگی جو ہم جد ہیں - لیکن قدیم فقہ کے اس قاعدہ پر میکانکی طور پر عمل

کرنے کے باعث جو لوگ درجہ قرابت میں قریب تر ہوں گے وہ ان لوگوں کو وراثت سے خارج کردیں گے جو درجہ قرابت کی رو سے بعید تر ہیں - وہ شخص بھی وراثت سے خارج ہوجاتا ہے جو کسی مورث کا عصبہ اولیٰ ہو۔ معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے فقہا نے اس قاعدہ کو کہ درجہ قرابت میں جو رشتہ دار قریب تر ہوں وہ ان لوگوں کو وراثت سے خارج کردیں گے جو درجہ قرابت کے لحاظ سے بعید تر ہیں اتنی اہمیت دی کہ انہوں نے اس قاعدہ میں کسی صورت استثنا کی اجازت نہیں دی ۔ لیکن عملاً ایسا نہیں ہوتا ۔ مثالا دو بہنیں جو ایک ہی ماں کی اولاد ہوں (مگر ایک باپ سے نہ ہوں) وراثت میں اسی طرح حصہ پاتی ہیں جس طرح متوفی کی دو سگی بہنیں ۔ اگرچہ سگی بہنیں واضح طور پر درجہ قرابت میں ان دو کی نسبت قریب تر ہیں جو متوفی کی ماں کی اولاد ہوں ۔ اس قاعدہ کا واضح تر استثنا اس صورت میں وقوع پذیر ہوتا ہے جب ایک بیٹی اپنے بھائی کے پوتے کو حق وراثت سے خارج کرنے میں ناکام رہتی ہے - ایک مزید استثنا اس صورت میں واقع ہوتا ہے جب کہ ایک باپ اگرچہ وہ درجہ قرابت میں قریب تر ہوتا ہے اپنی نانی یا پر نانی کو وراثت سے خارج کرنے میں ناکام رہتا ہے -

یہاں ہم اس نقطہ پر پہنچ جاتے ہیں جہاں قدامت پسندوں کی تقلید اور تجدد پسندوں کے اجتہاد کے مابین اختلاف بالکل واضح طور پر نظر آنے لگتے ہیں - آج کل کے حالات میں قدامت پسند فقہا کا یہ نظریہ کہ ہمیں اسلاف کی بے چون و چرا تقلید کرنی چاہئے منطق کے اصولوں کی رو سے کتنا ہی غلط اور عملی زندگی میں عدل کے منافی کیوں نہ ہو اور خواہ اس کے نتیجہ میں قرآنی معیار سے کیسا ہی تجاوز کیوں نہ واقع ہو۔ انہیں اس کوشش سے باز رکھتا ہے کہ اس میں کوئی ایسی تبدیلی پیدا کریں جس سے اس امر کا یقین حاصل ہوجائے کہ موجودہ عمل شریعت کے وضع کردہ معیار کے ساتھ مطابقت پیدا کرے گا - ۱۹۶۱ء کے عائلی قوانین کے آرڈیننس کا عملی اثر صرف یہ ہوا کہ قدیم فقہی قاعدہ میں جن مستثنیات کو تسلیم کرلیا گیا تھا ان میں ایک استثنا کا اور اضافہ ہوگیا ہے۔ یہاں ہم ان مستثنیات کی طرف

اشارہ کررہے ھیں جن کا ذکر اوپر کیا جاچکا ھے اور جو اس قاعدے سے متعلق ھیں کہ درجہ قرابت میں جو رشتہ دار قریب تر ھیں وہ ان رشتہ داروں کو وراثت سے خارج کردیں گے جو درجہ قرابت میں بعید تر ھیں۔ اس طرح موجودہ آرڈیننس سے یہ مقصد حاصل ھوجاتا ھے کہ فی زمانہ جو حالات پائے جاتے ھیں ان میں قرآن کے مقرر کردہ معیارات کو روبہ عمل لایا جائے۔ دوسرے الفاظ میں عائلی قانون کے آرڈیننس کی رو سے شریعت کی براہ راست تعبیر کے ذریعہ جو اسلامی معیارات متعین کئے گئے انہیں روبہ عمل لانے کی خواھش اور کوشش کو ماضی کے فقہی افکار و آرا کے ضرورت سے زیادہ احترام بلکہ پرستش پر ترجیح دی گئی ھے۔ آرڈیننس کی موجودہ دفعہ (۸۴) کا اثر یہ ھے کہ اسلام کے اس مقصد کو عملی شکل دی جارھی ھے کہ خاندان کے قریبی رشتوں کو استوار کیا جائے اور اس امر کا یقین حاصل کیا جائے کہ کسی شخص کی وفات کی صورت میں اس کی جائداد اس کے قریبی رشتہ داروں میں تقسیم کی جائے گی جن میں اس کے عصبات اولیٰ بھی شامل ھوں گے۔

قدامت پسند طبقہ میں سے ایک گروہ نے عائلی قانون کی اس دفعہ نیز بعض دیگر دفعات پر یہ اعتراض کیا ھے کہ یہ اسلام کو مغربی تہذیب کے قالب میں ڈھالنے کی کوشش ھے۔ اس لئے سوال یہ پیدا ھوتا ھے کہ وراثت اور خاندان کے بارے میں مغربی تہذیب کا نقطۂ نظر کیا ھے۔ قدامت پسند طبقات کے بیانات کو اس بارے میں قول فیصل قرار دیا جائے تو مغربی تہذیب کا اس دائرہ میں موجودہ میلان یہ ھے کہ خاندانی روابط کو ڈھیلا اور کمزور کردیا جائے اور ھر شخص کو یہ حق عطا کیا جائے کہ وہ اپنی وفات کے وقت جس طرح چاھے اپنی جائداد کو دوسروں میں تقسیم کردے۔ ۱۹۶۱ء کا آرڈیننس دفعہ (۸۴) کی رو سے مغربی تہذیب کے اس میلان کی تقلید کرنے کی بجائے خاندانی زندگی کو اس کے بالکل مخالف سمت میں لے جاتا ھے۔ قریبی رشتہ داروں پر مشتمل خاندان میں ایک اور فرد کو یہ حق عطا کیا گیا ھے کہ وہ متوفی کی جائداد پر اپنے حق وراثت کا دعویٰ کرسکے خواہ اس کا یہ عمل متوفی کی خواھشات کے بالکل برعکس ھو اور اس کا مقصد یہ ھے کہ قریبی

رشته داروں پر مشتمل خاندان کو جسے عہد جدید کے حالات نے کمزور کردیا ہے اور زیادہ مضبوط و استوار کردیا جائے ۔

تعدد ازدواج

اس مسئلہ کی نسبت بھی ایک بار یہ مناسب ہوگا کہ ہم شریعت کے متعین کردہ معیارات کا صاف طور سے جائزہ لیں جس کے بارے میں تقلیدیہ اور اجتہادیہ دونوں فریق یکساں طور پر متفق ہیں ۔ پہلی بات اس سلسلہ میں یہ یاد رکھنی ضروری ہے کہ اسلام زوجین میں باہمی الفت و مؤدت کو بڑی اہمیت دیتا ہے ۔ قرآن کی ایک آیت میں (سورہ بقرہ - ۱۸۶) بیوی اور شوہر کو ایک دوسرے کا لباس قرار دیا گیا ہے اور ایک صحیح اسلامی رشتہ ازدواج کی استواری جس مؤدت و رحمت پر قائم ہونی چاہئیے اس کا ذکر ذیل کی آیت میں کیا گیا ہے :-

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۱﴾

" اور اس کے نشانات و تصرفات میں سے ہے کہ اس نے تمہارے لئے تمہاری جنس کی عورتیں پیدا کیں تاکہ ان کی طرف مائل ہوکر آرام حاصل کرو اور تم میں محبت و مہربانی پیدا کردی ۔ جو لوگ غور کرتے ہیں ان کے لئے ان باتوں میں بہت سی نشانیاں ہیں ۔"

دوم قرآن نے یہ بھی قرار دیا ہے کہ جو لوگ مجرد ہیں وہ نکاح کرکے ازدواجی زندگی بسر کریں خواہ یہ لوگ آزاد ہوں، غلام ہوں، مالدار ہوں یا غریب ۔

" انکحوا الایامی منکم والصالحین من عبادکم وامائکم ان یکونوا فقراء یغنھم اللہ من فضلہ واللہ واسع علیم ۔ (النور- ۳۱)

''اور اپنی قوم کی بیوہ عورتوں کے نکاح کردیا کرو اور اپنے غلاموں اور لونڈیوں کے بھی جو نیک ہوں (نکاح کردیا کرو) اگر وہ مفلس ہوں گے تو اللہ ان کو اپنے فضل سے خوش حال کردے گا ۔''

اس طرح مسلمانوں پر نکاح فرض کردیا گیا ہے خواہ عورتیں ہوں یا مرد اور امت مسلمہ پر بھی یہ فریضہ عائد کیا گیا ہے کہ وہ حتی الوسع اس فریضہ کی ادائیگی میں دوسروں کی مدد کریں ۔

سویم ۔ قدامت پسندوں اور تجدد پسندوں کے مابین بالعموم اس بات پر اتفاق رائے ہے کہ عام حالات میں اسلام نے ایک بیوی کرنے کو ہی معیار قرار دیا ہے ۔ لیکن بعض حالات میں تعدد ازدواج کو ترجیح دی گئی ہے یا کم از کم اس کی اجازت عطا کی گئی ہے ۔ تعدد ازدواج کے مسئلہ پر قرآن نے دو آیات میں روشنی ڈالی ہے جن سے اس اجازت کی مشروط نوعیت صاف طور پر واضح ہوجاتی ہے :۔

وان خفتم الا تقسطوا فی الیتامیٰ فانکحوا ما طاب لکم من النساء مثنیٰ وثلث وربع فان خفتم الا تعدلوا فواحدۃ اوما ملکت ایمانکم ذالک ادنیٰ انلا تعو اوا ۔ (سورۃ نساءً : ۴)

'' اور اگر تم کو اس بات کا خوف ہو کہ یتیم لڑکیوں کے بارےمیں انصاف نہ کرسکوگے تو ان کے سوا جو عورتیں تم کو پسند ہوں دو دو یا تین تین یا چار چار ان سے نکاح کرلو اور اگر اس بات کا اندیشہ ہو کہ (سب عورتوں سے) یکساں سلوک نہ کر سکوگے تو ایک عورت کافی ہے یا لونڈی جس کے تم مالک ہو اس سے تم بے انصافی سے بچ جاؤگے ۔

پھر اسی سورۃ کی ایک اور آیت میں عورتوں کے ساتھ غیر منصفانہ سلوک کا ذکر کیا ہے :۔

ولن تستطیعوا ان تعدلوا بین النساء ولو حرصتم فلا تمیلوا کل المیل فتذروھا کالمعلقۃ وان تصلحوا وتتقوا فان اللہ کان غفوراً رحیماً (سورۃ نساء : ۱۲۸)

"اور تم خواہ کتنا ہی چاہو عورتوں میں ہرگز برابری نہ کرسکوگے تو ایسا بھی نہ کرنا کہ ایک ہی طرف ڈھل جاؤ اور دوسری کو (ایسی حالت میں) چھوڑدو کہ گویا ادھر میں اٹک رہی ہے اور اگر آپس میں موافقت کرلو اور پرہیزگاری کرو تو خدا بخشنے والا مہربان ہے -"

مندرجہ بالا آیات سے نکاح اور شادی کے متعلق قرآنی معیارات کے بعض پہلو واضح ہوجاتے ہیں - اولاً یہ کہ اسلامی نکاح اور ازدواج کی اعلیٰ ترین شکل وہ ہے جس میں شوہر اور بیوی کے مابین محبت اور رحمت کے جذبات پائے جاتے ہوں- دویم یہ کہ جو لوگ مجرد ہیں انہیں ازدواجی زندگی بسر کرنی چاہئیے یہ ایک فریضہ ہے جو ہر بالغ مسلمان پر عاید ہے - مگر ایک ایسے معاشرے میں جہاں عورتوں اور مردوں کی تعداد مساوی ہو یا جہاں عورتوں کی تعداد کم ہو اس فریضہ کی ادائیگی میں بہت مشکل ہوجائے گی - سوئم تعدد ازدواج کی صورت میں حقیقی عدل کا حصول ناممکن ہے اور یہ کہ ایسی حالت میں زیادہ سے زیادہ اس عدل کی توقع کی جاسکتی ہے جو ظاہری سلوک سے متعلق ہو اور ناگزیر طور پر اس مودت و رحمت کے منافی ہو جو ازدواجی زندگی کی اعلیٰ ترین اسلامی شکل کا ایک لازمی خاصہ ہے - چہارم اس وجہ سے صرف بعض مخصوص حالات میں بیک وقت دوسرے تیسرے یا چوتھے نکاح کا جواز پیدا ہوسکتا ہے -

ان تمام امور پر قدامت پسند اور تجدد پسند طبقات کے مابین بڑی حدتک اتفاق رائے پایاجاتا ہے - لیکن ان امور پر بحث کرنے سے قبل جہاں ان دونوں طبقات کے مابین اختلاف پایا جاتا ہے ' قدامت پسند طبقات کی ایک اور دلیل پر غور کرنا ضروری ہے جو تعدد ازدواج کی حمایت میں یہ لوگ پیش کرتے ہیں اور وہ دلیل یہ ہے کہ بعض مغربی ممالک میں مردوں کی بہ نسبت عورتوں کی تعداد زیادہ ہے اور یہ کہ بعض مغربی مصنفین نے اس واقعہ کے مدنظر یہ رائے ظاہر کی ہے کہ اس مغربی مسئلہ کا حل صرف یہی ہے کہ تعدد ازدواج کے طریقہ کو رائج کیا جائے -

اگر قدامت پسند طبقہ تعدد ازدواج کے لئے اس بات کو بطور دلیل پیش کرتا ہے کہ آبادی میں عورتوں کا تناسب مردوں سے زیادہ ہے تو یہ بات پاکستان کے لئے صحیح نہیں اور بعض مغربی ممالک کی صورت حال اور مسائل کی بنا پر پاکستان میں تعدد ازدواج کو ضروری قرار دینے سے یہ مسئلہ حل نہیں ہوگا بلکہ اس میں اور زیادہ الجھنیں پیدا ہوجائیں گی -

قرآن کی رو سے معاشرہ کو یہ حکم دیا گیا ہے (دیکھئے آیت مندرجہ بالا ۲۴ ۔ ۳۲) کہ وہ اس امر کا یقین حاصل کرے کہ مجرد اشخاص جس قدر جلد ممکن ہو قید نکاح میں آجائیں - اور جہاں عورتوں کی غالب اکثریت کے بجائے مردوں کی غالب اکثریت ہو جیسے پاکستان میں جہاں قابل ازدواج عمر میں پچاس لاکھ مرد، عورتوں کی بہ نسبت زیادہ پائے جاتے ہیں، وہاں معاشرہ کا یہ فرض ہوجاتا ہے کہ وہ جہاں تک ممکن ہو اس امر کا یقین حاصل کرے کہ مجرد لوگوں کو پہلے قید نکاح میں لایا جائے اور تعدد ازدواج کو صرف ان خصوصی حالات تک محدود کردیا جائے جن کے تحت قرآن نے ایک سے زائد نکاح کرنے کی مشروط اجازت دی ہے - یہ صاف ظاہر ہے کہ اسلام معاشرہ کو یہ حق دیتا ہے کہ وہ متعدد معاملات میں احکام شریعت کا انضباط یا نفاذ عمل میں لائے [مثلاً وہ احکام جو وراثت - ترکہ - غلاموں کے ساتھ سلوک اور انہیں آزاد کرنے کے متعلق ہیں - نیز وہ حالات جن میں طلاق کو جائز قرار دیا جاسکتا ہے] اور یہ مسئلہ کہ کب کوئی امر فرد کی صوابدید پر چھوڑا جائے اور کب اس کے برعکس اس کا تصفیہ معاشرہ کو من حیث المجموع تفویض کیا جائے - اصل میں شریعت کا کوئی مسئلہ نہیں بلکہ فقہی تعبیر کا ایک مسئلہ ہے - خواہ یہ فقہ قدیم زمانہ کی ہو یا دور جدید کی -

لیکن جب تقلیدیہ اوائل اسلام اور دور وسطی کے فقہی فیصلوں کو عملاً قابل پرستش قرار دیتے ہیں اور انہیں وہ مقام و حیثیت عطا کرنا چاہتے ہیں جو وحی و الہام کو حاصل ہے تو کسی متفقہ فیصلہ پر پہنچنے کا امکان بہت کم باقی رہ جاتا ہے - اجتہادیہ اس امر کا یقین کرنا چاہتے ہیں کہ جن حالات

میں سے هم اس وقت گزر رہے ہیں اور شریعت میں نکاح و ازدواج کے مقصد کا جو مفہوم هم نے سمجھا ہے فقہ کے قواعد و ضوابط اس مقصد کو ممکنہ حد تک حاصل کرنے میں ممد و معاون ہوں ۔ ایک ایسے معاشرہ میں جس کے اندر صنعت و حرفت روز افزوں ترقی کر رہی ہو اور شہری آبادی بڑھ رہی ہو اہل خاندان اور پڑوسی اگر کسی فرد پر دباؤ ڈالنا چاہیں کہ وہ صرف انہیں حالات میں ایک سے زائد نکاح کرے جن کے تحت واقعی اس کی اجازت دی گئی ہے تو ایسے دباؤ کا اس فرد پر کوئی اثر نہیں پڑے گا اور وہ نہایت آسانی سے اس کو نظر انداز کرسکتا ہے ۔ یہ خیال کرنا مغالطہ آمیز ہے کہ تعدد ازدواج کو معاشرتی قانون کے ذریعہ محدود کرنے سے زناکاری کی طرف رغبت پیدا ہوگی - کیونکہ وہ ذہنی افتاد جس کی وجہ سے لوگ زناکاری کی طرف مائل ہوتے ہیں اپنی نوعیت میں اس سے بہت مختلف ہے جس کے باعث لوگ نکاح ثانی پر آمادہ ہوجاتے ہیں - واقعہ یہ ہے کہ جس معاشرہ میں عورتوں کی بہ نسبت مرد لاکھوں کی تعداد میں زیادہ ہوں تو پھر اس میں کچھ لوگ ایسے ہوں جن کی چار بیویاں ہوں جن کے ساتھ وہ چار روز میں سے صرف ایک روز (یا گھریلو زندگی کا چوتھا حصہ) بسر کرسکیں تو ایسی منکوحہ عورتوں کے معاشرہ کے مجرد اشخاص کے ساتھ ناجائز تعلقات پیدا کرنے کے امکانات بہت زیادہ ہوجاتے ہیں - اگر یہ منکوحہ بیویاں عفیف بھی رہ سکیں تب بھی شوہر کے ساتھ صرف چار میں سے ایک روز بسر کرنے کے باعث مؤدت و رحمت جو شوہر اور بیوی کے مابین ہونی چاہئے باقی نہیں رہے گی - کیونکہ علاوہ اور عوامل کے ان کو اپنے شوہر سے ملنے اور اس سے واقف ہونے کے مواقع بہت کم حاصل ہوں گے - علاوہ ازیں اس طرز زندگی کا اثر بچوں پر بھی بہت برا پڑے گا۔ کیونکہ بچوں کو بھی کم آمیزی کے باعث اپنے باپ سے وہ الفت و موانست نہیں رہے گی جو قدرتاً انہیں ہونی چاہئے ۔ بالخصوص ایسی حالت میں جب کہ ہر عورت کا گھر دوسری سے علیحدہ ہو ۔

طلاق

تیسرا اہم مسئلہ جس کے بارے میں قدامت پسندوں اور تجدد پسندوں کے مابین اختلاف رائے پایا جاتا ہے طلاق سے متعلق ہے۔ یہاں پر یہ مناسب ہوگا کہ هم

پوری وضاحت کے ساتھ اس مسئلہ کے متعلق اسلامی معیار کو پیش نظر رکھیں جن کے بارے میں قدامت پسندوں اور تجدد پسندوں کے مابین اتفاق رائے پایا جاتا ہے۔ نصب العینی حیثیت سے اسلام طلاق کو ایک ناپسندیدہ فعل قرار دیتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو جن امور کی اجازت دی ہے ان میں سب سے زیادہ مبغوض شے طلاق ہے۔ اسلام نے زمانہ جاہلیت کے طور طریق میں جو نکاح و طلاق سے متعلق تھے ایک خاص تبدیلی پیدا کی۔ طلاق کے بعد عدت کا زمانہ مقرر کیا۔ سطحی نظر سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ عدت کی قید اس لئے عائد کی گئی تھی تاکہ یہ معلوم کیا جائے کہ مطلقہ عورت حاملہ ہے یا نہیں۔ لیکن قرآن اس کے بارے میں یہ ارشاد فرماتا ہے کہ عدت ایک ایسا زمانہ ہے جس میں اس امر کی کوشش کی جانی چاہئے کہ شوہر اور اس کی بیوی کے مابین مصالحت ہوجائے نیز جلد بازی کی وجہ سے یا اشتعال پذیری کے باعث جو طلاقیں واقع ہوئی ہیں ان میں کمی واقع ہوجائے۔

اب ہم تقلیدیہ اور اجتہادیہ کے اس اختلاف سے بحث کریں گے جو بتکرار اور مسلسل ان کے مابین واقع ہوتا رہتا ہے۔ یعنی تقلیدیہ شریعت کے متعلق اوائل اسلام اور عہد وسطیٰ کی فقہی تعبیرات کو من و عن تسلیم کرلیتے ہیں اور جن وجوہات و اسباب کی بنا پر تعبیرات کی گئی تھیں ان کا جائزہ لینے پر بالکل آمادہ نہیں۔ اجتہادیہ اس کے برعکس یہ تسلیم کرتے ہوئے کہ جن وجوہات کی بنا پر عہد وسطیٰ میں فقہا نے شریعت کے تحت بعض قواعد وضع کئے وہ یقینا لائق اعتنا اور اپنے اندر کافی وزن رکھتے ہیں ان فقہی تعبیرات و قواعد پر اس غرض سے نظر ثانی کرنا چاہتے ہیں کہ وہ قرآن کے بتائے ہوئے نصب العین کی بہتر طور پر تکمیل کرسکیں۔ حالات میں جو تبدیلیاں اس زمانہ میں پیدا ہوچکی ہیں ان کے باعث صورت حال کچھ اس طرح کی ہوگئی ہے کہ فریقین نکاح کے رشتہ دار اور اہل خاندان کی اسی گاؤں یا اسی علاقہ میں سکونت کے امکانات روز بروز کمتر ہوتے جارہے ہیں جس میں خود زوجین سکونت پذیر ہیں۔ جب زوجین کسی ایسے شہر یا دور دراز دیہات میں سکونت پذیر ہوں جو ان کے رشتہ داروں اور اہل خاندان کی جائے سکونت سے کئی سو میل کے

فاصلہ پر ہو تو ان کی باہمی نا اتفاقی کی صورت میں مصالحت کے ضروری فریضہ سے پہلو تہی کرنے کے امکانات بہت قوی ہوجاتے ہیں اور خود مصالحت ناقابل حصول ہوجاتی ہے ۔ اس وجہ سے قوم نے عائلی قوانین کے ذریعہ یہ فیصلہ کیا کہ وہ مصالحت کا ضروری فریضہ خود اپنے ذمہ لے لے ۔ نیز قانون کے ذریعہ قرآن کے بتائے ہوئے زمانہ عدت کا تعین کرے ۔

نیم تقلیدی رجحانات

شریعت اسلامی کی دور وسطیٰ کی تعبیرات میں (جیسے کہ اوائل اسلام اور دور وسطیٰ کی کتابوں میں پائی جاتی ہیں) تجدد پسندوں کی اصلاحی کوششوں کو بعض قدامت پسند طبقات طنزاً نا اہل اشخاص کی نیم اجتہادی کوششوں سے موسوم کرتے ہیں اور یہی قدامت پسند لوگ ساتھ ساتھ اس بات پر فخر بھی کرتے ہیں کہ وہ تقلید کے نظریہ اور عمل کے پرجوش اور مسلسل حامی ہیں ۔ لیکن اس زمانہ کے حامیان تقلید کے مؤقف کا تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ دور وسطیٰ میں مقلد کا جو مفہوم لیا جاتا تھا اس کی رو سے وہ نظریہ تقلید سے کتنے دور ہیں اگر (ب) (الف) کی تقلید اور اندھی پیروی کرتا ہے اور (ج) اسی طرح (ب) کی تقلید کرتا ہے نیز (د) (ج) کا ویسا ہی کور مقلد ہے تو (د) کو وہی کچھ کرنا چاھئے جو (الف) زمانہ ماضی میں کرتا تھا ۔ لیکن موجودہ حالات میں ایسا یقیناً نہیں ہوتا ہے اور موثر علتوں میں مبینہ تبدیلیوں کا جو جواز اس زمانہ کے مقلدین اپنے مؤقف میں پیش کرتے ہیں اس کی تکذیب مرحلہ اول کی تبدیلیوں کے بالمقابل ان کے رد عمل سے ہوتی ہے ۔ مثلاً دور وسطیٰ کی فقہی کتابوں مثلاً ہدایہ اور فتاویٰ عالمگیری میں غلامی کو جائز قرار دیا گیا ہے (اگر اسے پسندیدہ قرار نہیں دیا گیا) ایسے غلاموں کو جو اپنے آقا کی اجازت کے بغیر ان کو چھوڑ کر بھاگ جائیں دوبارہ حاصل کرنے کے لئے بھی ہدایت دی گئی ہے ۔ اور اوائل اسلام کے فقہی مسلک کی رو سے تقلید کے صحیح معنی یہ ہوں گے کہ مثلاً قانونی ذرائع سے غلاموں کی بازیابی کے متعلق جو ہدایات دی گئی ہیں ان کی حمایت اس زمانہ میں بھی کی جائے اور یہ کہ خود غلامی کو بھی جائز قرار دیا جائے ۔ موجودہ زمانہ

کے قدامت پسندوں کی تقلید میں انتشار کی جو کیفیت پیدا ہوگئی ہے اس کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ ایک زمانہ تھا جب اس قسم کی مغربی ایجادات مثلاً برق، مائکروفون اور ہوائی جہاز کے استعمال کو کفر سمجھتے تھے اسی طرح ان لوگوں کے لئے جو عربی نہیں جانتے قرآن کے تراجم کو بھی وہ ایک کافرانہ عمل سمجھتے تھے، لیکن کچھ عرصہ بعد انہیں طبقات نے اپنے قدیم مؤقف سے ہٹ کر ان نئی چیزوں کو تسلیم کرلیا ۔ خود تقلید کے حامیوں کے لئے بھی ان معنوں میں تقلید پر قائم رہنا عملاً ناممکن ہوگیا ہے جن معنوں میں یہ اصطلاح قدیم زمانہ میں استعمال کی جاتی تھی ۔ یعنی یہ کہ اجتہاد کے ذریعہ جو فیصلے کئے جائیں اور جن پر اجماع ہوجائے ان پر بے چوں و چرا عمل کیا جائے اور ان میں کسی قسم کی تبدیلی کو نہ گوارا کیا جائے ۔

یہ بات آسانی سے سمجھ میں آسکتی ہے کہ پاکستان میں نیز دیگر اسلامی ممالک میں قانون و فقہ کے دائرہ میں اس وقت جو تجدد پسندی منظر عام پر آرہی ہے وہ کوئی ایسا مظہر نہیں جو دیگر مظاہر سے بالکل الگ تھلگ ہو۔ یہ میلان بہت عرصہ سے جاری ہے اور کئی ایک مقامات پر پایا جاتا رہا ہے ۔ یہ میلان اس زمانے میں بھی کارفرما تھا جب ایک غیر ملکی حکومت برسر اقتدار تھی اور آزادی کے بعد بھی یہی میلان ہمارے ملک میں کارفرما ہے ۔ حکومت کا طرز خواہ پارلیمانی ہو یا صدارتی ، اس کے باعث اس میلان میں کوئی فرق نہیں آئے گا ۔ یہ میلان آج بھی کارفرما ہے اور کل بھی رہے گا ۔

[illegible] پسندی کے بارے میں جیسا کہ عائلی قانون پر اس کا اطلاق [illegible] ہے ہمارے اس غور و فکر سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ یہ طرز فکر [illegible] اور مغربی اطوار کی طرف لے جانے کے بجائے ہمیں بالکل دوسرے رخ پر [illegible] رہا ہے ۔ کیونکہ اس میں کوشش کی گئی ہے کہ اس بدلتی ہوئی دنیا میں عائلی زندگی اور قوانین کے بارے میں قرآن اور شریعت کے متعین کردہ نصب العین کو بطریق احسن حاصل کیا جائے ۔